ہندوستان کا مستقبل اور جماعت اسلامی ہند کی دعوت

مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہندوستان کا مستقبل اور جماعت اسلامی ہند کی دعوت

قبل اس کے کہ اصل موضوع یعنی ”ہندوستان کا مستقبل اور جماعت اسلامی ہند کی دعوت“ کے بارے میں کچھ عرض کروں۔ اس موضوع کے سلسلے میں کچھ وضاحتیں ضروری معلوم ہو رہی ہیں۔

ا۔ ہندوستان میں بلاشبہ اکثریت اب بھی ایسے ہی لوگوں کی ہے جو کسی نہ کسی مذہب کے قائل اور اس سے وابستہ ہیں، لیکن ان میں شاید زیادہ لوگ ایسے ہی ہیں، اور بہت سے مسلمانوں کا بھی حال یہی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب نام ہے محض ایشور کا نام جپ لینے کا یا صرف اللہ کے ذکر و تسبیح کا اور اس کے سارے تقاضے بس اس طرح ادا ہو جاتے ہیں کہ کچھ عبادتیں یا پوجا پاٹ کی رسمیں ادا کر لی جائیں۔ ان کے خیال میں اس سے آگے مذہب کا عمل دخل نہیں ہے۔ اور دنیاوی امور و مسائل اس کے دائرے سے بالکل خارج ہیں۔ اور اس زمانہ میں جدید تہذیب کے تحت ایسے امور میں مذہب کا نام لینا ایک بیجا جسارت اور منافیِ عقل کام سمجھا جاتا ہے۔ چناں چہ بہتوں کے نزدیک سیکولرزم اگر مذہب کو برداشت کر سکتا ہے تو صرف نجی زندگی میں اللہ سے قلبی ربط اور لگاؤ رکھنے کی حد تک یا زیادہ سے زیادہ پوجا پاٹ کی رسمیں ادا کر لینے کی حد تک، اس کے آگے نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔

مذہب کی حقیقی حیثیت

ایسے تمام لوگوں کو غالباً اس عنوان پر ہی تعجب ہوگا کہ ہندوستان کے حال و مستقبل سے کسی دینی دعوت کا آخر تعلق ہی کیا ہو سکتا ہے۔

ایسے حضرات کی خلش یا سوال کے پیش نظر میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مذہب کا ہم جو تصوّر رکھتے ہیں اس کے لحاظ سے وہ مذہب شاید مذہب کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہوسکتا، جو محض گیان دھیان کو کافی سمجھے اور انسان کی روز مرہ کی زندگی میں اس کی رہنمائی نہ کرے۔ حالاں کہ مذہب کی ضرورت اس رہنمائی کے ہی پہلو سے ہے اور اس کو اس کا حق بھی حاصل ہے۔ کیوں کہ مذہب اس عقیدہ کا نام ہے کہ ہمارا ایک خالق و مالک ہے جس کو ہم پر فرماں روائی کا حق ہے اور بندہ کی اصل حیثیت یہ ہے کہ اس کی مخلوق اور محکوم ہونے کی بنا پر وہ اپنی پوری زندگی میں اس کی اطاعت و فرماں برداری کرے۔

ہم جس مذہب کے نام لیوا ہیں اس کا نام ہی اسلام ہے۔ جس کے معنی اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کے ہیں، اور دینِ اسلام رہبانیت، ترکِ دنیا یا محض گیان دھیان کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کے برعکس اس کے نزدیک دین داری کی راہ دنیا ہی سے ہوکر گزرتی ہے اور دنیوی امور و معاملات کو احکامِ الٰہی کے تحت انجام دینا اس کے نزدیک عین دین داری ہے۔ اس کے بہت سے احکام انسان کی اجتماعی زندگی اور دنیوی امور و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ احکام بھی دین ہی کا جزء ہیں اور ان سب کے ماسوا وہ اپنے ماننے والوں پر شہادتِ حق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی عائد کرتا ہے۔ اس طرح آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کم از کم اسلام کے ماننے والے اپنے ملک و قوم کی سود و بہبود، اس کے حال و مستقبل اور اس کو بنانے اور سنوارنے کی فکر سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔

جماعت اسلامی کا مقصدِ وجود جیسا کہ اس نام سے بھی ظاہر ہے اسلام کی دعوت اور اس کے قیام کی کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لیے دین و دنیا کے تعلق سے میں نے اسلام کا جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے اس کو سامنے رکھیں تو آپ جماعت کے بارے میں یہ رائے قائم نہیں کر سکتے۔ اور نہ اس کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہندوستان کے حال و مستقبل سے بے تعلق رکھ سکتی ہے۔ وہ خالص مذہبی وجوہ کی بنا پر بھی تعلق رکھنے پر مجبور ہے، اور ملک کے حال و مستقبل سے جماعت کے تعلق کی نوعیت وہی ہوسکتی ہے جو اسلام متعین کرے، اور اس بارے میں اسلام کے جو احکام ہیں ان کے مزاج کے اندازے کے لیے غالباً یہ بات کافی ہوگی کہ وہ اس دنیا کے خالق و مالک کا تعارف اس حیثیت سے نہیں کراتا کہ وہ محض مسلمانوں کا رب ہے بلکہ اسے ربّ العالمین قرار دیتا ہے اور یہ دین جس برگزیدہ ہستی پر نازل ہوا ہے اس کا تعارف بھی وہ رحمۃ للعٰلمین کی حیثیت سے کراتا ہے۔ جس کے اقوال و ارشادات میں ہمیں یہ قول بھی ملتا ہے کہ:

اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللهِ فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيْهِ أَحْسَنُهُمْ إِلٰى عِيَالِهٖ۔

''تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اور مخلوق میں اس کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ زیادہ اچھا برتاؤ کرنے والا ہو۔''

یہی وجہ ہے کہ جماعت نے اپنے پروگراموں میں صرف اس بات کو ہی اہمیت نہیں دی ہے کہ اس دینِ رحمت سے یہاں کے تمام باشندوں کو بلاتفریق وامتیاز متعارف کرایا جائے، اور اس کے سلسلہ میں ان کو جو غلط فہمیاں ہیں انھیں دور کیا جائے بلکہ اس کا پروگرام یہ بھی ہے کہ مسلمان بستیوں کے ساتھ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ملی جلی بستیوں اور محلوں کو مرکزِ توجہ بنایا جائے۔ اور وہ ان کی صفائی ستھرائی سے لے کر ان کی معاشی حالت کو بہتر بنانے، ان کے پس ماندہ اور مفلوک الحال لوگوں کی سماجی اور معاشی حالت بدلنے اور ان کی مدد کرنے کا ایک مستقل منصوبہ رکھتی ہے۔ اور اس کو حسبِ گنجائش زیرِ عمل لا رہی ہے اور آپ میں سے بہتوں کو اس کا بھی علم ہوگا کہ فسادات کے علاوہ سیلاب اور قحط وغیرہ کے مواقع پر بھی جماعت ریلیف کا کام بلاتفریق مذہب وملت انجام دیتی رہی ہے، اور اس سلسلہ میں پبلک فنڈ اکٹھا کر کے لاکھوں روپیہ صرف کر چکی ہے۔

ان کاموں کے علاوہ اس کو اس سے بھی دلچسپی ہے کہ ملک کے لیے اچھا یا برا نظام کیا ہوسکتا ہے۔ ہم لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ اسلامی نظامِ مملکت ہی ملک کے لیے بہترین نظام کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے قیام ونفاذ سے ملک وملت کے تمام مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ تاہم وہ عبوری دور کے لیے بھی کچھ متعین پروگرام اور مشورے رکھتی ہے چناں چہ جیسا کہ اس کے شائع شدہ پروگرام سے واضح ہے۔ وہ کلیت پسندی اور آمریت کو غلط سمجھتی ہے اور اس کے مقابلے میں اس کے نزدیک جمہوریت قابل ترجیح ہے، اور اس بنا پر وہ ایسی کوششوں کی تائید وحمایت کرے گی اور بہ وقت ضرورت اس کے لیے رائے عامہ بھی ہموار کرے گی جو جمہوریت کے فروغ کے لیے عمل میں لائی جائیں، اور اس سے بھی آگے اس نے یہ بھی طے کیا ہے کہ وہ اپنے اصولوں کے تحت مفید کاموں میں دوسری مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے ساتھ تعاون کرے گی۔

ان باتوں سے آپ بہ خوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ ہندوستان کے حال و مستقبل سے جماعتِ اسلامی اور اس کی دعوت کو کوئی دلچسپی ہے یا نہیں، اور ہے تو اس کی صحیح نوعیت کیا ہے۔

مسلمانوں کے اہم مفادات

میں یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک مسلمانوں کے مفادات کو اہمیت دینے کا سوال ہے میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ ان کے متعدد اہم مفادات کا تحفظ یقیناً ہم کرنا چاہتے ہیں، اور ان کو اپنے پروگرام میں بھی ہم نے جگہ دی ہے۔ لیکن یہ وہ مفادات ہیں جو ان کے وجود و بقا یا ان کی دینی و ملی حیثیت کو برقرار رکھنے کے پہلو سے ضروری ہیں اور ان کی اصل اہمیت ہمارے نزدیک اس پہلو سے ہے کہ ہمارے خیال میں مسلمان ہی صحیح دینی و ملی حیثیت اختیار کر کے اپنی زندگیوں سے اسلام کا عملی نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ جس سے ہمارے لیے دعوتِ دین کا کام غیر مسلموں میں آسان ہو سکتا ہے۔

رہے ان کے ایسے مفادات جو ان کو محض دنیوی حیثیت سے مطلوب ہیں تو اس بارے میں بھی صاف صاف عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ان کے کسی مفاد کے محض دنیوی ہونے کے معنیٰ ہمارے نزدیک یہ ہرگز نہیں ہیں کہ وہ لامحالہ غلط ہی ہوں۔ اور یقیناً مسلمانوں کا یہ جائز حق ہے کہ وہ اپنے جائز حقوق کے لیے پوری جدوجہد کریں۔ لیکن عملاً ہم اس قسم کی کوششوں سے اپنے آپ کو اس لیے الگ رکھتے ہیں کہ ہمارے سامنے اس سے کہیں زیادہ اہم کام ہیں اور دوسرے اس لیے کہ ہم ہندوستان میں دعوت و تبلیغ کا جو کام انجام دینا چاہتے ہیں اس سے اس طرح کی سرگرمیاں کچھ زیادہ میل نہیں کھاتی ہیں۔

رہے جماعتِ اسلامی پر طرح طرح کے الزامات تو ان کی تردید میں میں اپنا اور آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ وقت اور ہمارے واقعی کام خود اس کی تردید کر دیں گے۔ البتہ میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ ملک کا مفاد کچھ اس پر منحصر نہیں ہے کہ فلاں یا فلاں پارٹی کا ساتھ دیا جائے یا فلاں فلاں مخصوص بولیاں بولی جائیں۔ اس بارے میں ہر شخص اپنے طور سے کوئی بھی رائے اور نقطۂ نظر اختیار کرنے کے لیے آزاد ہے۔ وہ دستور کی حدود کے اندر رہ کر اس کے لیے پوری جدوجہد کر سکتا ہے اور اس میں مداخلت کا ہرگز کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔

مستقبل کا ہندوستان اور ہم

اب میں کچھ باتیں اصل موضوع کے تعلق سے عرض کروں گا۔ موضوع کا تقاضا ہے کہ مستقبل کے ہندوستان کا نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا جائے لیکن ایک مومن کے عقیدے کے

مطابق یہی نہیں کہ غیب کا حال صرف اللہ جانتا ہے بلکہ مستقبل میں جو کچھ بھی پیش آسکتا ہے وہ تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ رومیوں کو ایرانیوں کے مقابلے میں جو شکست دورِ نبوی میں ہوئی تھی بہ ظاہر حالات اس وقت کوئی اس کی توقع نہیں کرسکتا تھا کہ یہ شکست کبھی فتح میں بھی بدل سکتی ہے اور اسی بنا پر اس شکست سے لوگ ملول و دل شکستہ اور بہت سے فرحاں وشاداں تھے۔ اس موقعہ پر قرآن مجید میں سورۂ روم کی آیتیں نازل ہوئیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ:

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۗ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۗ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ (الروم:۱-۵)

”ا-ل-م-رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہوجائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور وہ دن ہوگا جب کہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطافرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔“

اور یہی حقیقت قرآن مجید کی مشہور آیت میں بیان فرمائی گئی ہے کہ:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۗ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ۗ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (اٰل عمران:۲۶)

”کہو خدایا ملک کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کردے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ انسان امیدوں اور تمناؤں کے کتنے ہی قلعے تعمیر کرلیتا ہے لیکن اللہ کی حکمت ومشیت نہیں چاہتی تو چشم زدن میں وہ سب ڈھیر ہوجاتے ہیں۔ ایک مشہور عارف کا مقولہ ہے: عرفت ربّی بفسخ العزائم۔

تاہم مستقبل کے بارے میں ظن وقیاس کی بنیاد پر کچھ اندازے ضرور قائم کیے جاسکتے

ہیں۔ اس کائنات کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ ضوابط وقوانین متعین کر دیے ہیں اور واقعات کا ظہور عموماً علت ومعلول کے تحت ہی ہوتا ہے اور اسی بنا پر ہم مثلاً دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کے ظہور اور موسموں کے ردوبدل وغیرہ کا پیشگی اندازہ کر لیتے ہیں، البتہ علت ومعلول کا یہ نظام ہمیشہ اللہ کی حکمت ومشیت کے تابع رہا کرتا ہے اور وہ اپنی حکمت ومشیت کے تحت چاہے تو اس میں تبدیلیاں کر سکتا ہے اور کرتا رہتا ہے۔ اور علت ومعلول کا یہ نظام جس طرح مادی دنیا میں کارفرما ہے ویسے ہی اس کا ظہور انسان کی اخلاقی اور روحانی زندگی میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اخلاق و کردار کے کچھ خواص ہیں جن کے لازماً کچھ اچھے یا برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ان سے افراد واقوام کے حال و مستقبل متاثر ہوتے ہیں۔

اس طرح آپ دیکھیں تو ہم ہندوستان کے موجودہ حالات کو سامنے رکھ کر اس کے مستقبل کے بارے میں بہر صورت ایک سرسری اندازہ لگا سکتے ہیں کیوں کہ کسی فرد یا قوم کا مستقبل اس کے ماضی سے بہرحال کسی نہ کسی درجے میں ضرور جڑا ہوا ہوتا ہے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات کیا ہیں۔ ان پر ہمارے مختلف مقررین نے جو روشنی ڈالی ہے اس سے آپ خود بھی ملک کے مستقبل کے بارے میں کوئی اندازہ کر سکتے ہیں۔ میں اس موقعہ پر مختصراً اپنا یہ اندازہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کا مستقبل ہر پہلو سے تاریک یا مایوس کن تو نہیں کہا جا سکتا لیکن متعدد پہلوؤں سے وہ یقیناً نہایت تشویش ناک ہے اور اس کے جو پہلو اچھے اور خوشنما ہو سکتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

اچھے اور خوشنما پہلو

۱۔ بہ ظاہر اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ملک پر حملہ آور ہو کر اسے دوبارہ غلام بنا لے۔ مختلف اسباب کے تحت اب سیاسی غلامی کا دور ختم ہو چکا ہے چناں چہ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بیشتر ممالک قید غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں اور اب بھی کچھ بچے کھچے ملک غلام ہیں یا نیم غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں تو یہ چند روزہ بات ہے۔ البتہ ابھی ذہنی یا معاشی غلامی کا سلسلہ بہ دستور قائم ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ دنیا کے دو طاقت ور ملکوں نے اس غلامی کو اور زیادہ پختگی اور وسعت عطا کی ہے اور اس کے اثرات سے ہمارا ملک بھی محفوظ نہیں ہے اور آئندہ ان اثرات میں اور وسعت وشدت پیدا ہو سکتی ہے۔

۲۔ ملک میں بہ ظاہر اس کا بھی کوئی امکان نہیں ہے کہ آزادی کے بعد یہاں جو جمہوری

نظام قائم ہوا ہے وہ کلیتاً ختم ہو جائے۔ یہاں کے عوام کا مزاج جمہوریت سے پہلے بھی بہت کچھ آشنا تھا اور انگریزی دور حکومت میں بھی اس کو ایک حد تک نشوونما پانے کا موقع ملا ہے اور آزادی کے بعد متعدد الیکشنوں نے اس کو مزید پختگی عطا کی ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ جمہوری نظام کی کچھ کڑیاں کل آج سے کچھ مختلف شکل اختیار کرلیں مثلاً یہ کہ برطانوی طرز کے پارلیمانی نظام کے بہ جائے امریکہ کے صدارتی نظام کا کوئی طرز اس کی جگہ لے لے یا اقتدار کا جو تمرکز اس وقت پایا جاتا ہے آئندہ اس میں کچھ تبدیلیاں واقع ہوں اور ملک کے وحدانی طرز حکومت میں جیسا کچھ بھی وہ اس وقت ہے، آئندہ کچھ زیادہ وفاقی انداز پیدا ہوسکے اور اس سے مرکز اور ریاستوں کے تعلق کی موجودہ شکل اور گورنروں کی موجودہ حیثیت بھی تبدیل ہو جائے لیکن جہاں تک جمہوریت کی روح و مزاج اور اس کے بنیادی ڈھانچے کا تعلق ہے اس میں کسی تبدیلی کا بہ ظاہر کوئی امکان نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی بہ ظاہر امکان سے خارج معلوم ہوتی ہے کہ یہاں جمہوریت کے بہ جائے فوجی حکومت قائم ہوسکے۔ اس میں عوام کے مخصوص مزاج کے ساتھ فوج میں مختلف علاقوں اور گروہوں کی نمائندگی اور موجودگی سب سے بڑا مانع ہے۔

۳۔ ملک کا مستقبل اس اعتبار سے بھی غالباً اچھا ہی ہوگا کہ ہمارے معاشرے میں معاشرتی اور معاشی حیثیت سے جو اونچ نیچ اور عدم مساوات بڑے پیمانے پر پائی جاتی ہے وہ تادیر قائم نہیں رہ سکتی۔ یہاں کا اقتدار حکومت خواہ کسی پارٹی کے ہاتھ میں ہو وہ اب اس کے لیے مجبور ہے کہ اس اونچ نیچ اور عدم مساوات کو دور کرنے کی پوری کوشش کرے کیوں کہ جو لوگ اس کے شکار ہیں ان میں بالغ رائے دہندگی کی بنا پر حکومت پر اثر انداز ہونے کی کافی قوت پیدا ہوچکی ہے اور ان میں اپنی اس قوت اور اس کے استعمال کا شعور و احساس بھی روز بہ روز بڑھتا جارہا ہے جس کو مطمئن کیے بغیر کوئی پارٹی برسر اقتدار نہیں آسکتی اور اگر آجائے تو تادیر قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کے نتیجے میں یقیناً مستقبل کا ہندوستان چھوت چھات اور اونچ نیچ کی لعنت سے بڑی حد تک نجات پا جائے گا جو انسانی برادری میں اس کی بدنامی اور رسوائی کا باعث بن گئی ہے۔

لیکن جہاں یہ پہلو کسی حد تک قابلِ اطمینان یا امید افزا کہے جاسکتے ہیں وہیں متعدد دوسرے بہت سے ایسے پہلو ہیں جو یقیناً موجب تشویش ہیں۔ ان سب پر یہاں گفتگو کرنا مشکل ہے، ان میں سے صرف چند کی طرف سرسری اشارہ کروں گا۔

مستقبل کے خطرے

۱۔ ہندوستان کو جیسا کہ میں نے کہا باہر کی کسی طاقت کی غلامی کا بہ ظاہر کوئی اندیشہ نہیں ہے لیکن اس کی آزادی بہ ایں معنی بے معنی ہوسکتی ہے کہ وہ فکری اور معاشی حیثیت سے دوسروں کے آگے سپر انداز ہوجائے۔

فکری غلامی سے میرا مطلب یہ ہے کہ ملک کسی ایسے نظامِ فکر کا تابع اور محکوم بن جائے جو ہندوستان کے اپنے اصل مزاج، اس کے ماحول، اور اس کی ضروریات اور اس کے فطری میلانات کے مطابق نہ ہو یا وہ اس کے حق میں موجبِ خیر و برکت ہونے کے بہ جائے لعنت و مصیبت کا موجب بن جائے۔ مثلاً یہ کہ ہندوستان کے عوام اپنے روح و مزاج کے اعتبار سے مذہبی واقع ہوئے ہیں اور مذہب بہ جائے خود بھی فرد، معاشرہ اور ریاست کی صحیح تعمیر کے لیے ایک ناگزیر ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے اور خود واضعینِ دستور نے اس صورتِ حال اور اس ضرورت کو دستور میں پوری طرح تو نہیں لیکن کسی نہ کسی درجہ میں ضرور پیش نظر رکھا ہے لیکن مختلف اسباب کے تحت اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ آئندہ دستور کی ان خصوصیات کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی جائے اور یہاں ایسا نظامِ فکر رائج کیا جائے جو یک طرفہ ہو اور اس میں محض انسان کی معاشی ضروریات ہی کو اہمیت دی گئی ہو۔ میں یہاں کمیونزم اور کیپٹلزم میں سے کسی ایک کی طرف مخصوص طور سے اشارہ نہیں کر رہا ہوں کیوں کہ میرے علم کی حد تک اس لحاظ سے دونوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے کہ دونوں ہی انسانی ضروریات میں صرف معاشی و مادّی پہلو کو اہمیت دیتے ہیں اور روحانی اور اخلاقی اقدار کا دونوں ہی میں کم و بیش فقدان پایا جاتا ہے اس لیے ان دونوں نظاموں کے علم برداروں میں سے آئندہ جس کو بھی کام یابی حاصل ہو اس کا نتیجہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کے اپنے اپنے فکر اور طریق کے مطابق کچھ فرق و تفاوت کے ساتھ ملک کی موجودہ معاشی حالت میں کچھ تبدیلیاں واقع ہوں جو کچھ پہلوؤں سے خوش آیند بھی ہوسکتی ہیں لیکن یہ دونوں ہی اپنی مذکورہ بنیادی خرابی کی بنا پر اپنے انجام کار کے لحاظ سے ملک کے لیے تباہ کن ثابت ہوں گے۔

۲۔ دوسرا اہم خطرہ ملک کی وحدت و سالمیت کے پہلو سے درپیش ہے۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، ہر شخص کو معلوم ہے کہ زبان، علاقہ اور ذات و برادری کے تعصّبات میں آزادی کے بعد کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ ان میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہوا ہے اور اس کا نتیجہ صرف اس شکل میں برآمد نہیں ہوا ہے کہ ملک کی سیاست کوئی صحت مند جمہوری روایت قائم

نہیں کر سکی بلکہ اندیشہ اس بات کا پیدا ہو گیا ہے کہ آزاد ہندوستان کی تقسیم آئندہ انھیں خطوط پر ہو جائے جس کے لیے تقریباً ہر جگہ زوردار تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہندوستان ایک ملک ہوتے ہوئے بھی ایک ملک ہونے کے بہت سے فوائد و برکات سے یقیناً محروم ہو جائے گا اور عجب نہیں کہ وہ ان جھگڑوں میں اس طرح مبتلا ہو جائے کہ پورے ملک کا بہ حیثیت مجموعی ارتقاء معرض خطر میں پڑ جائے۔

تشدّد کا پھیلاؤ

ملک کے لیے ان دونوں خطروں سے بڑا خطرہ انارکی اور تشدد کا بڑھتا ہوا رجحان ہے، جس کے نمونے آئے دن ہر جگہ ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس رجحان کی شدت اور اس کی تباہی کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ مثلاً بنگال میں ہر شخص کو اپنی جان کا خطرہ درپیش ہے اور آئے دن سرکاری اور غیر سرکاری جائیداد اور املاک تباہ و برباد ہوتے رہتے ہیں اور اس صورتِ حال سے متاثر ہو کر بہت سے کارخانے بند ہو چکے ہیں جن کے بند ہونے کی وجہ سے لاکھوں اور کروڑوں کے نقصانات ملک کو روزانہ برداشت کرنے پڑ رہے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ملک میں یہی صورتِ حال برقرار رہی تو ہندوستان کی خوش حالی اور ترقی کے سارے منصوبے خاک میں مل سکتے ہیں اور وہ دن آ سکتا ہے کہ لوگ دورِ آزادی کو بھلا کر دورِ غلامی کو یاد کرنے لگیں۔

یہ ہے مختصر نقشہ ہندوستان کے مستقبل کا، اب میں عنوان کے دوسرے جز یعنی اس مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی کی دعوت ملک کے اس مستقبل میں کیا درجہ و مقام رکھتی ہے اور وہ ملک کے لیے کہاں تک مفید ہو سکتی ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ ہمارے مقررین کی وہ تقریریں بھی اس بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لیے مفید ہو سکتی ہیں جن میں ہندوستان کے موجودہ حالات پر گفتگو کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی کی دعوت کی ضرورت و افادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ میں یہاں مختصراً چند باتیں عرض کروں گا۔

۱۔ میں نے مستقبل کے جن خطروں کی طرف متعدد عنوانات کے تحت اشارات کیے ہیں۔ بلاشبہ کچھ ایسی تدابیر بھی ہو سکتی ہیں جن کے ذریعہ ملک کے قائم نظام کے اندر رہتے ہوئے بھی ان پر کسی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔ مثلاً دستور کی جن خصوصیات کی طرف میں نے پہلے اشارہ کیا ہے اس کو برقرار رکھتے ہوئے ملک کو معاشی حیثیت سے بھی آگے بڑھانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ دستور اس میں مانع نہیں ہے کہ معاشی اور معاشرتی اونچ نیچ کو ختم کرنے کی جائز کوششیں عمل

میں لائی جائیں بلکہ دستور میں پہلے ہی سے اس مسئلہ کو اہمیت حاصل ہے اور اگر اس پہلو سے اس کی کوئی بات اس میں رکاوٹ بن رہی ہو تو اس کو اس شرط کے ساتھ دور بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس کی بنیادی خصوصیات خاص طور سے جن کا تعلق بنیادی حقوق سے ہے متاثر نہ ہوں اور یہ محض خام خیالی کی بات ہے کہ مذہب انسان کی معاشی ترقی میں کوئی مانع بن سکتا ہے۔ مذہب خود اونچ نیچ اور عدم مساوات کو اپنے طور سے دور کرنا چاہتا ہے اس لیے حقیقتاً اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم خواہ مخواہ یہاں کسی ایسے نظام کو رائج کرنے کی کوشش کریں جو مذہب ہی نہیں بلکہ ملک کے عمومی مزاج اور رجحانات اور حقیقی ضرورتوں کے بھی خلاف ہو اور اس اعتبار سے یہ بات بھی حد درجہ ملک کے لیے مہلک ہوگی کہ سیکولرزم کو اس معنی میں رائج کرنے کی کوشش کی جائے کہ انسان کے لیے مذہب بے معنی چیز ہے یا زیادہ سے زیادہ انفرادی زندگی میں اسے اختیار کیا جاسکتا ہے، یہ یقیناً ایک نہایت غلط بات ہے جس کی مخالفت کی جانی چاہیے۔ البتہ سیکولرزم اس مفہوم میں کہ حکومت کا رویہ تمام مذاہب کے سلسلے میں غیر جانب دارانہ ہونا چاہیے اور عوام کو سب مذاہب کے بارے میں رواداری کی روش اختیار کرنی چاہیے ایک معقول بات ہے اور ہم خود اس کی تائید کرتے ہیں۔

وحدت کے تحفّظ کی ایک شکل

اسی طرح ملک کو وحدت کے پہلو سے جو خطرات درپیش ہیں ان کا علاج موجودہ ڈھانچے میں بھی اس طرح ہوسکتا ہے کہ ذات و برداری اور زبان و علاقوں کو فطری تعلق کی حد تک برداشت کرنے کا جذبہ اربابِ اختیار کے اندر پیدا ہو اور خواہ مخواہ ملک کی وحدت و یک رنگی کے کسی غلط تصور کے تحت ان کو دبانے اور مٹانے کی کوشش نہ کی جائے، اس بات کا پورا لحاظ دستور میں بھی کیا گیا ہے اور اسی بنا پر ملک کی مختلف زبانوں، تہذیبوں اور گروہوں کے جائز تحفظات بھی طے کیے گئے ہیں۔

اسی طرح تشدد اور انارکی کی روک تھام موجودہ قوانین یا وہ اگر نا کافی ہوں تو ان میں اضافہ کر کے ان کے صحیح استعمال سے بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن بہ حالاتِ موجودہ بڑی مشکل یہ ہے کہ جو لوگ یہ سب کچھ کر سکتے ہیں ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ یہ سب کچھ کریں گے کیوں کہ بدقسمتی سے انھیں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے زیادہ اپنی کرسیوں کی فکر ہے۔ اس لیے ان کے علاج کی فکر تو درکنار بسا اوقات وہ اپنے عمل سے ان فتنوں کو ہوا دیتے ہیں۔ اس کا ایک علاج یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ ان کو بدل کر ایسے لوگوں کو برسرِ اقتدار لایا جائے جن کے ہاتھوں ان فتنوں کے سدِ باب کی توقع کی جاسکے۔ لیکن مزید بدقسمتی یہ ہے کہ اربابِ سیاست نے ووٹروں

کے ذہن ودماغ کو اس طرح بدل دیا ہے کہ خود ان کو بھی ملک کے مستقبل کو سنوارنے سے زیادہ اپنی ذات یا گروہ یا علاقے کے مستقبل کو سنوارنے کی فکر ہر لحہ رہتی ہے اور اس طرح یہ توقع بھی کچھ پوری ہوتی نظر نہیں آتی اور بہ حالاتِ موجودہ اس کا بھی کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے جو اس پہلو سے ان کی صحیح تربیت کرسکیں۔

اخلاقی زوال

ہمارے نزدیک ان ساری خرابیوں کی تہ میں جو بات بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے وہ اخلاق وکردار کی کم زوری یا فقدان ہے، کسی قوم وملک کے عروج وزوال اور خوش حالی وبدحالی کا اصل تعلق اس قوم وملک کی سیرت وکردار ہی سے ہے اس لیے تمام خرابیوں کا اصل علاج اخلاق کی اصلاح اور کردار کی تعمیر ہے اور جماعتِ اسلامی کی دعوت اصلاً اخلاق کی تعمیر ہی کی دعوت ہے اور وہ اس کے لیے ایک واضح نقشہ اور پروگرام کے ساتھ مصروفِ کار ہے جس کے یقیناً اس کی مساعی کے مطابق بہتر اور خوش گوار نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں جن سے وہ لوگ بھی انکار نہیں کرسکتے جو اسے خواہ مخواہ مختلف طریقوں سے بدنام کرنے کے درپے ہیں۔ یہ نقشہ و پروگرام کیا ہے اس پر تفصیلی گفتگو کا موقعہ نہیں ہے۔ بس مختصراً یہ عرض کردینا چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں بنیادی اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ ہمارا ایک خالق ومالک ہے اور ہم اپنے اچھے برے اعمال کے لیے اس کے سامنے جواب دہ ہیں، ان دو بنیادی تصورات کو اپنائے بغیر قابلِ اعتماد سیرت وکردار پیدا نہیں کی جاسکتی اور ان ہی دو بنیادی تصورات پر اسلام نے اپنے اخلاقی نظام کے ساتھ ساتھ معاشی، سیاسی اور معاشرتی نظام کا بھی ایک مکمل اور جامع نقشہ پیش کیا ہے جن سے تمام پیدا شدہ مسائل حل کیے جاسکتے ہیں اور انھیں اپنا کر انسان دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں کو خوش حال اور فائز المرام بنا سکتا ہے، مختصر وقت میں، میں اس مسئلہ پر اتنا ہی عرض کرسکتا ہوں۔ جو لوگ اسے تفصیل سے سمجھنا چاہتے ہوں ان کو ہمارے لٹریچر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

مسلمانوں کا مقام

ہندوستان کے مستقبل کو سنوارنے میں مسلمان ایک اہم کردار ادا کرسکتے ہیں اس لیے آخر میں میں کچھ باتیں مخصوص طور سے مسلمانوں سے عرض کرنی چاہتا ہوں، پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ ہرگز جائز نہیں کہ مسلمان مایوسی، احساسِ کہتری، حالات کی ناسازگاری

یا مذہب کے کسی غلط یا ناقص تصور کی بنا پر ہندوستان کے حال و مستقبل سے کوئی غرض یا واسطہ نہ رکھیں۔ یہ دینی اعتبار سے قابلِ باز پرس غلطی یا کوتاہی ہوگی اور ساتھ ہی ہندوستان میں ان کے مستقبل کے لیے بھی انتہائی تباہ کن ہوگا اور انھیں یقین رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں اب بھی ان کو یہ حیثیت حاصل ہے کہ وہ اگر عزم وحوصلہ کے ساتھ حالات پر اثر انداز ہونے کی کوشش کریں تو وہ اس میں بہت کچھ کام یاب ہوسکتے ہیں۔

۲۔دوسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ ان کا اصل مقام شہادتِ حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہے اس لیے انھیں محض اپنی فکر کے بہ جائے پورے ملک کی اصلاح ونجات کی فکر کرنی چاہیے۔ بلاشبہ ان کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جائز حقوق کے حصول کی فکر کریں اور ضرورت ہو تو اس کے لیے منظم جدوجہد بھی عمل میں لاسکتے ہیں۔ ہندوستان کے عمومی مفاد کو پیشِ نظر رکھنے کے یہ بات منافی نہیں ہے کہ اس کے مختلف تہذیبی اور مذہبی گروہ اپنے وجود اور اپنی جداگانہ خصوصیات کو برقرار رکھنے کی بھی اس کے ساتھ فکر کریں۔ لیکن یہ بات انھیں کسی حال میں فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ امتِ مسلمہ کے خیر امت ہونے کے ناطے سے ان کا مقام اتنا اونچا ہے کہ اس کے لحاظ سے ہرگز اُن کے شایانِ شان بات نہیں ہوسکتی کہ وہ صرف اپنے حقوق و مطالبات سے غرض وواسطہ رکھیں اور اس کے ساتھ شہادتِ حق کی ذمہ داریوں کو وسیع پیمانے پر ادا کرنے کی کوشش نہ کریں۔

میں یہ بات بھی واضح کردینا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے جائز حقوق کے حصول کے لیے یا عمومی حیثیت سے اپنی شہادتِ حق کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے الیکشن کی راہ کو ضروری اور مفید سمجھتے ہوں تو وہ اس راہ کو بھی اختیار کرسکتے ہیں لیکن یہ بات انھیں بھولنی نہیں چاہیے کہ اس راہ میں بھی کسی معتدبہ کام یابی کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ سب سے پہلے وہ دین کے صحیح خطوط پر خود اپنے اندر اتحاد و تنظیم پیدا کریں اور دیگر باشندگانِ ملک کے ساتھ خواہ مخواہ کش مکش پیدا کرنے کی بہ جائے ان کو اپنے اخلاق و کردار اور حسنِ عمل کے ذریعہ اپنے قریب اور حتی الوسع اپنے عزائم و مقاصد میں انھیں زیادہ سے زیادہ اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کریں، اس صورت میں یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے بھی اہل قرار پائیں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝